عروج وزوال کے الٰہی قوانین

از

(جناب مولوی محمد تقی صاحب امینی)

(۸)

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو برہان بابت ماہ اپریل)

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے

ان اللہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اقواتھم بقدر ما یکفی فقرائھم فان جاعوا او عروا او جھدوا فبمنع الاغنیاء وحق علی اللہ ان یحاسبھم ولیعذبھم	اللہ تعالیٰ نے مالداروں پر غریبوں کی معاشی ضروریات بقدر کفایت پوری کرنا فرض کر دیا ہے اگر وہ ننگے بھوکے یا اور کسی معاشی مصیبت میں مبتلا ہوں گے تو محض اس وجہ سے کہ مالدار ان کا حق نہیں دیتے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حساب لے گا اور انھیں عذاب دے گا۔

حالات ومقامات کے اختلاف کی بناء پر زمین وجائداد کے فیصلے بھی مختلف ملتے ہیں کہیں رسول اللہ نے زمین تقسیم کردی ہے اور کہیں نہیں تقسیم کی صحابۂ کرام نے کبھی کسی کو زمین بطور عطیہ دیا ہے اور کبھی دے کر واپس لے لیا ہے اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لئے کتاب "اسلام کا زرعی نظام" مطالعہ کرنا چاہیئے۔

حالات کی تبدیلی ہی کی بناء پر رسول اللہ کے دئے ہوئے بہت سے عطیے صحابہ نے واپس لے لئے تھے اور بہت سے نہیں لئے تھے۔ اسی طرح کہیں رسول اللہ نے سختی برتی اور کسی شی کی اہمیت پر بہت زور دیا صحابہ نے وہاں نرمی برتی اور اس کی جگہ دوسری شی کی اہمیت

پر زیادہ زور دیا۔ اس قسم کی مثالیں تاریخ میں بکثرت ملتی ہیں۔

تاریخ کو جب تک اس حیثیت سے سمجھنے کی کوشش نہ ہوگی نہ اسلام کا مزاج سمجھ میں آئے گا اور نہ ہی اس دور میں کوئی مفید اور قابلِ قدر خدمت انجام دی جا سکے گی۔

قرآن حکیم کے بیان کی تفصیلات سے عمل صالح پر استدلال

قرآن حکیم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں، معاشرتی و معاشی اخلاقی و سیاسی تہذیبی و تمدنی وغیرہ تمام چیزوں کے احکام موجود ہیں اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ قیام و بقار کے سلسلہ میں ان سب کو خاص اہمیت حاصل ہے اور دوسری یہ کہ قرآن کی نظر میں صاحب صلاحیت قوم وہی ہو سکتی ہے جس نے مجموعی حیثیت سے اس کی بیان کردہ چیزوں میں اہلیت و صلاحیت پیدا کی ہو۔

اگر زندگی کے صرف ایک گوشہ میں جدوجہد کرنے سے قرآنی صلاحیت کا "سرٹیفکیٹ" مل جاتا تو پھر اسے اس قدر تفصیل سے بیان کرنے اور تمام گوشوں کے احاطہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

چوں کہ دنیا مادی لحاظ سے ترقی کرتی جا رہی ہے اس لئے قرآنی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے زمانہ کے تقاضے کی مناسبت سے جدوجہد کرنا ضروری ہے۔

صلاحیت پیدا کرنے کے لئے رسول اللہ کے مختلف انتظامات

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس صالح سوسائٹی کے قیام و بقار کی ضمانت لے کر آئے تھے اخلاقی تربیت کے ساتھ اُس زمانہ کے لحاظ سے تہذیب و تمدن کی تمام ضرورتوں کو لازمی قرار دیا تھا مثال کے طور پر چند یہ ہیں:-

(۱) آپ نے تعلیم پر بہت کافی زور دیا اور اس کو عام کرنے کے لئے مختلف انتظامات کئے۔ قرآن حکیم میں علم کے بارے میں بے شمار آیتیں ملتی ہیں اور تقریباً یہ سب آیتیں مکی دور کی ہیں جو قومی زندگی میں صلاحیت پیدا کرنے کا ابتدائی زمانہ تھا۔

(۲) آپ نے صحابیوں کو دوسری زبانیں سیکھنے کا حکم دیا چنانچہ حضرت زید بن ثابت نے فارسی۔ حبشی۔ عبرانی اور رومی (یونانی) زبانیں سیکھ لی تھیں اور حضرت عبد اللہ بن زبیر

کثیر زبانوں کے ماہر تھے۔

اسی طرح مختلف علوم و فنون سیکھنے کی تاکید فرمائی ریاضی۔طب۔علم ہیئت۔ علم انساب۔علم تجوید وغیرہ۔نشانہ بازی۔تیراکی۔شہ سواری۔تلوار چلانا وغیرہ۔

(۳) فنونِ حرب کی ترقی پر آپ نے خصوصیت کے ساتھ توجہ فرمائی اور اس سلسلہ میں ہر اچھی چیز جہاں سے ملی اختیار کرنے کا حکم دیا۔صف بندی کو نہایت منظم کیا اور نماز کے ذریعہ صف بندی کی تربیت کی روزے کے ذریعہ ہر موسم میں بھوک پیاس برداشت کرنے کی مشق کرائی حج کے ذریعہ کوچ کرتے اور قیام کرنے کی عادت ڈلوائی زکوٰۃ کے ذریعہ خرچ کرنے کی اسپرٹ پیدا کی فوجوں کی مشقیں، گھوڑوں اونٹوں اور گدھوں کی دوڑ تیر اندازی کا مقابلہ فوجی اسپورٹ سرکاری اصطبل اسلحہ خانہ وغیرہ سب کا ذکر تاریخ میں محفوظ ہے۔

(۴) نوجوانوں کی تربیت اور ان کی حوصلہ افزائی کو آپ نے بہت زیادہ اہمیت دی اور اُن کی ذاتی صلاحیتوں کو دیکھ کر یک فنی مہارت کا موقع بہم پہنچایا چنانچہ کوئی حساب میں ماہر تھا اور کوئی سپہ سالاری میں کوئی قانون سازی و تاریخ میں اور کوئی تجارت و زراعت میں کوئی صنعت و حرفت میں اور کوئی سیاست میں کوئی کاروبار میں اور کوئی نظم و نسق کے چلانے میں غرض زندگی کے تمام شعبوں میں نوجوانوں نے حصہ لیا اور حتی الامکان آپ نے اس کا انتظام فرمایا نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کے سلسلہ میں اسپورٹ مردانہ کھیل کشتی اور انعامی مقابلہ وغیرہ کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

(۵) معاشی تنظیم کی طرف آپ نے سب سے پہلے توجہ فرمائی چنانچہ مکہ میں نومسلموں کے درمیان بھائی چارہ کا نظام قائم کیا اور مدینہ پہنچنے کے بعد مہاجرین اور انصار کے درمیان اس نظام کو قائم کیا یہ عملی طور پر باہمی تعاون و اشتراک کا نظام تھا۔

(۶) عورتوں کی تعلیم و تربیت کا آپ نے علیحدہ انتظام کیا اور مختلف مشغلوں کی طرف جو ان کے لئے موزوں تھے آپ نے انھیں توجہ دلائی۔

اسلام سے پہلے دنیا کی ترقی صرف مردوں کی اخلاقی و دماغی قوتوں کی کرشمہ سازی تھی پیغمبر اسلام نے دونوں کو وسائل ترقی میں شریک ٹھہرایا اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ جنت میں جس وقت حضرت آدمؑ کی ٹریننگ ہو رہی تھی اس وقت حضرت حواؑ بھی ان کے ساتھ تھیں یعنی ابتدا ہی سے یہ پالیسی متعین ہو چکی تھی کہ دنیا کے گلشن کو سجانے میں عورت و مرد دونوں اپنی اپنی حیثیت و صلاحیت کے مطابق شریک ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پالیسی کو عملاً نافذ کیا اور حدود و قیود متعین کر کے زندگی کی جد و جہد میں انھیں حصہ لینے کا موقع دیا چنانچہ بہت سی صحابیات کپڑے بُنتی تھیں جو اُن کے گھر کے لئے کافی ہوتا بعض دباغت (رنگائی) و دست کاری اور سینا پرونا وغیرہ کرتی تھیں بعض معلمہ تھیں اور بعض جراحی اور طب میں ماہر تھیں بعض فقہ و حدیث و تفسیر کی امام تھیں غرضٍ اس طرح مختلف کاموں کے ذریعہ ایک طرف تو وہ زندگی کو خوش حال بنانے میں مددگار ثابت ہوتیں اور دوسری طرف عضو معطل بن کر سوسائٹی کے لئے بار نہ بنتی تھیں۔ اس کے علاوہ زنانہ رضا کار کی حیثیت میں جنگ کے موقع پر وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں انھیں پانی پلاتیں تیر بیا چُن کر اپنے ساتھیوں کو دیتیں اور ضرورت پڑنے پر خود تلوار کھینچ کر میدان میں اُتر آتی تھیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ فنونِ مدافعت عورتوں کو ضرور سکھائے جاتے رہے ہوں گے۔ مقررہ حدود و قیود کی پابندی کرتے ہوئے مسلم خواتین کے عملی سیاسی علمی و مذہبی اتنے شاندار کارنامے تاریخ میں محفوظ ہیں کہ اس ترقی یافتہ آزادی کے دور میں مشکل سے اس کی نظیریں ملتی ہیں۔

زمانۂ خلافت میں دینی اور قومی خصوصیات کو محفوظ رکھتے ہوئے مفید چیز جہاں سے بھی ملی لے لی گئی تھی۔

(۷) قیام و بقا کی جد و جہد کے سلسلہ میں قومی زندگی میں صلاحیت پیدا کرنے کے لئے اگر کچھ چیزیں دنیا کی دوسری قوموں سے لینی پڑیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے اس میں کسی قسم کا دریغ نہیں فرمایا۔ مثال کے طور پر چند یہ ہیں۔

خیبر کی لڑائی میں منجنیق سے دشمن کے قلعے پر پتھر برسائے گئے تھے طائف کے محاصرہ میں دبابہ اور غرادہ کا استعمال کیا گیا تھا یہ لڑائی کے ہتھیار یونانیوں اور ایرانیوں سے لیے گئے تھے منجنیق کی ترقی یافتہ شکل موجودہ دور میں حرکت کرنے والی ٹینک کی صورت میں نظر آتی ہے غرادہ۔ منجنیق ہی کی طرح پتھر وغیرہ دور پھینکنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

دبابہ۔ ایک پہیے والی گاڑی ہوتی تھی جس کے اوپر کوئی موٹا چمڑا منڈھ دیا جاتا تھا تاکہ تیروں سے اندر رہنے والے آدمیوں کو تکلیف نہ پہنچائی جا سکے۔ غرادہ فصیلوں کو اکھاڑنے وغیرہ کے کام میں استعمال کیا جاتا تھا۔

غزوہ خندق میں خندق کھود کر پناہ لینے کی ترکیب ایرانیوں سے لی گئی تھی۔ خندق فارسی لفظ کندہ کا معرب ہے ملکی نظم و نسق اور طریقہ جنگ کے سلسلہ کی بہت سی باتیں یونان اور ایران سے لی گئی تھیں۔

خراج اور جزیہ کے قوانین میں نوشیرواں کے مرتب کردہ قانون سے استفادہ کیا گیا تھا فوج اور خزانہ کا دفتر قائم کرنے میں رومیوں سے استفادہ کیا گیا تھا ارسطو اور بقراط کی طب جو آج مسلمانوں کی طب سمجھی جاتی ہے وہ یونان سے لی گئی تھی۔

اسی طرح جنازہ رکھنے کا تابوت حضرت زینب کی وفات میں حبشہ سے لیا گیا تھا۔

لباس کے سلسلہ کی بعض چیزیں بھی دوسروں کی رائج ہو گئی تھیں[1]

حاصل یہ ہے کہ زمانہ خلافت میں دینی اور قومی خصوصیات کو محفوظ رکھتے ہوئے جہاں سے جو مفید چیز ملی اس کے اختیار کرنے میں کسی قسم کا تامل نہیں ہوا اور یہی چیزیں بعد میں اسلامی تہذیب و تمدن کا جزو بنیں الغرض اس طرح زندگی کے تمام گوشوں میں صلاحیت پیدا کرکے قیام و بقا کی جدوجہد ہوئی تھی جب کہیں جا کر مسلم قوم دنیا میں اتنے دن زندہ رہنے کے قابل

---

[1] ان تمام تفصیلات کے حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو جمع الجوامع مولفہ سیوطی تحت عنوان علموا۔ تعلموا۔ تعلمن علموا اور علموا الصبیان وغیرہ از "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" باب عہد نبوی میں نظام تعلیم۔ نیز سیر الصحابیات اور مقالات شبلی جلد اول۔

بن سکی تھی۔

یہ چیزیں بطور نمونہ کے پیش کی گئی ہیں جن سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قومی زندگی میں کیسی صلاحیت ہونی چاہیئے اور قیام وبقار کے لئے کس قسم کی جدوجہد درکار ہے۔ نیز زمانۂ خلافت میں حالات کے پیشِ نظر صلاحیت کا کیا معیار تھا اور آج کیا ہے؟

(۳) تواصی بالحق

قیام وبقار کا تیسرا بنیادی اصول تواصی بالحق ہے جس نظریۂ حیات کو حق مان کر قبول کیا ہے جماعت کا ہر فرد علمی اور عملی حیثیت سے اس کا مبلغ ہو اور اسی کے مطابق باہمدگر تعلیم و تربیت کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہو۔

اس کے مفہوم میں تعاون واشتراک کے ذریعہ ایک دوسرے کو تقویت پہنچانے اور آگے بڑھتے بڑھانے کا جذبہ بھی شامل ہے۔

تفصیل یہ ہے:-

تواصی کی لغوی صرفی اور اصطلاحی تحقیق اور اس موقع پر مادہ وصیت لانے کا نکتہ

تواصی "وصیت" سے بنا ہے وصیت کا مادہ عام اصطلاح میں اس کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو انسان کہہ کر مر جاتا ہے لیکن قرآن حکیم کی خاص اصطلاح میں ہر تاکیدی اور واجبی حکم کے لئے مستعمل ہوتا ہے[1] مثلاً "ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا" یہ عربی گرامر کے مطابق باب تفاعل سے ہے جس کی خاصیت تشارکت ہے جو مصدر اس باب سے آتا ہے اس میں بالعموم شرکت کے معنی پائے جاتے ہیں اور وہ شرکت ایسی ہوتی ہے کہ ہر فرد سے فعل کا صادر ہونا ضروری ہوتا ہے۔

باب مفاعلت کی خاصیت بھی مشارکت بیان کی جاتی ہے جس کے معنی باہمی شرکت کے ہیں لیکن ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ تفاعل میں صورۃ اور معناً ہر فرد فاعل ہوتا ہے اور مفاعلت میں معناً ہر ایک فاعل ہوتا ہے صورۃً نہیں صورۃ اور معنی کا مذکورہ فرق غالباً

۱؎ تفسیر عزیزی

اس لئے ہے کہ جس شدت اور یکسانیت کے ساتھ ہر فرد کی جانب سے فعل کا صدور اول الذکر میں ہوتا ہے ثانی الذکر میں وہ شدت اور یکسانیت ملحوظ نہیں ہوتی ہے اگرچہ اس میں بھی ہر ایک سے فعل صادر ہوتا ہے اور ہر ایک کے ساتھ دوسرا شریک ہوتا ہے۔

یہاں وصیت کا مادہ لانے میں نکتہ یہ ہے کہ قیام و بقاء کی جدوجہد اس وقت تک پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی ہے جب تک انسان اپنے مفاد کو اپنی مرغوبات کو فنا کر کے ترک و اختیار کی کسوٹی پر پورا نہ اترے۔ چوں کہ ایسی صورت میں کسی مقصد کے حصول کے لئے گویا اپنے آپ کو فنا کرنے والا ہوتا ہے اس لئے اس کے قول و فعل کی نوعیت یکسر بدل جاتی ہے اور ہاتھ پاؤں اعضاء و جوارح زبان و قلم عقل و دماغ غرض سب کچھ دوسرے کے بقاء کا سامان فراہم کرنے کے لئے وقف ہو جاتے ہیں اور اس طرح ساری جدوجہد دوسروں کے مفاد سے متعلق ہو جاتی ہے جس طرح وصیت کرنے والے کی وصیت کا تمام تر تعلق دوسروں سے وابستہ ہوتا ہے اور موصی (وصیت کرنے والا) کی ذات کا سوال نہیں باقی رہتا ہے[1]

اس کے علاوہ ایک اور بات یہاں خاص اہمیت رکھتی ہے وہ یہ کہ وصیت بالعموم عزیز قریب رشتہ دار وغیرہ کے لئے کی جاتی ہے جن سے نہایت قریبی تعلق ہوتا ہے اور جن کی مصیبت و تکلیف برداشت کے قابل نہیں ہوتی ہے اس لفظ کے لانے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہی حال بالکل قومی اور جماعتی زندگی کا ہے کہ آپس میں افراد کا تعلق اتنا گہرا ہو کہ ایک کی تکلیف کے تصور سے دوسرا بے چینی محسوس کرے اور اس کے لئے جو کچھ کہہ سکتا ہو یا کر سکتا ہو آخر دم تک کہتا اور کرتا رہے۔

تواصی میں ذمہ داری اور نگرانی کا مفہوم پایا جاتا ہے

لفظ وصیت میں ایک اور بات خصوصی توجہ کی مستحق ہے وہ یہ کہ دوسرے کے لئے کرنے اور کہنے میں اپنی ذمہ داری محسوس کرے یعنی اندر کے اُبھار اور قلبی میلان کے باوجود یہ بھی سمجھے کہ میں اس کا ذمہ دار ہوں اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنا میرا فرض منصبی ہے کلام عرب میں یہ مادہ جہاں کہیں استعمال ہوا ہے اگر بطور کنایہ استعمال نہیں

[1] تفسیر عزیزی

کیا گیا ہے تو مذکورہ مفہوم کا ضرور لحاظ رکھا گیا ہے اسی بنا پر "وصی" اس کو کہتے ہیں جسے ذمہ دار بنایا جاتا ہے اور جس کے سپرد معاملہ کیا جاتا ہے۔

"والوصی اسم یقع علی من نکل الیہ امرک" محاورہ ہے "کن وصی نفسک" تو اپنا وصی (ذمہ دار و نگراں) بن جا "کن من توصی الیہ بنفسک"

اسی ذمہ داری اور نگرانی کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ (الحدیث)

خوب غور سے سن لو ہر شخص تم میں کا راعی ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں بازپرس ہوگی۔

رعی کے معنی "حفظ الغیر لمصلحتہ"[۱] دوسرے کی مصلحت کے پیش نظر اس کی حفاظت و نگہبانی کرنا اس لحاظ سے راعی اس کو کہتے ہیں جو کسی کا منتظم اور نگراں ہو "الراعی" "کل من ولی امر قوم"[۲]

چونکہ قومی اور جماعتی زندگی میں ہر فرد دوسرے کا ذمہ دار اور نگراں ہوتا ہے اس لئے جب تباہی و بربادی آتی ہے تو سب اس کی زد میں آجاتے ہیں ظالم و بدکار تو اس بنا پر کہ وہ مجرم ہیں اور غیر ظالم و بدکار اس لئے کہ انھوں نے ظالم کا ہاتھ کیوں نہیں پکڑا جس طرح آگ جب محلہ میں بھڑک اٹھتی ہے تو صرف لگانے والے ہی کو نہیں جلاتی بلکہ سبھی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں اور اس لئے آجاتے ہیں کہ ان لوگوں نے لگانے والے کا ہاتھ کیوں نہیں پکڑا یا جب وہ لگا چکا تھا تو بروقت بجھانے کی کوشش کیوں نہ کی۔ درج ذیل آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ واعلموا ان اللہ شدید العقاب ۲۵

اور اس فتنہ سے بچتے رہو جس کی زد صرف انھیں پر نہ پڑے گی جو تم میں سے ظلم کرنے والے ہیں بلکہ سبھی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں اور یاد رکھو

[۱] بیضاوی - [۲] المنجد

کہ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اس آیت میں اجتماعی زندگی کے تمام ان چھوٹے بڑے خطرات کی طرف اشارہ ہے جو آگے چل کر ہلاکت و بربادی کا موجب بنتے ہیں، ابتداء میں ان کی حیثیت چونکہ معمولی ہوتی ہے اس بنا پر ان کی طرف توجہ کرنے کی بظاہر ضرورت نہیں محسوس ہوتی ہے لیکن رفتہ رفتہ وہ اس درجہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ ان کی وجہ سے پوری قوم بھسم ہو کر رہ جاتی ہے [1]

قرآن حکیم کا یہ کارنامہ نہایت شاندار اور معجزانہ ہے کہ اس نے نہ صرف ایمان اور عمل صالح کا جامع نظام پیش کر کے خطرات کے انسداد کا انتظام کیا بلکہ "تواصی بالحق" کے ذریعہ اس نے ہر فرد کو ذمہ دار ٹھہرایا۔

الحق کی لغوی تحقیق الحق۔ حق یحق کا مصدر ہے جس کے معنی ثبوت اور قیام کے ہیں۔ اور حق کے لغوی معنی ثابت۔ قائم۔ اٹل۔ امٹ کے ہیں کلام عرب میں یہ لفظ جہاں کہیں استعمال ہوتا ہے وہاں ثبوت۔ قیام۔ نہ ٹلنا۔ نہ مٹنا وغیرہ الفاظ کے مفہوم کا پایا جانا یقینی ہے،

[1] اس مفہوم کے سمجھنے میں ذیل کی دو حدیثیں مدد پہنچاتی ہیں۔

قیل یا رسول اللہ انہلک وفینا الصالحون قال نعم اذا اکثر الخبث۔

رسول اللہ سے لوگوں نے سوال کیا کہ کیا ہم لوگ ایسی حالت میں بھی ہلاک کر دئے جائیں گے جب کہ صالحین ہم میں موجود ہوں گے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں جب خباثت زیادہ ہو جائے گی۔

ایک اور حدیث میں ہے

مامن قوم یعمل فیھم بالمعاصی ھم اکثر ممن یعمل فلم ینکروا الا عمھم اللہ بعذاب۔

جس قوم میں لوگ معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں اور وہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور دوسرے لوگ ان پر نکیر نہیں کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا عذاب سب کو عام ہوتا ہے یعم الجمیع من العاصین ومن لم یعص اذا لم ینکرہ

(احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۶۱)

اسی بنا پر جو کپڑا نہایت مضبوط اور پائیدار بنا جاتا ہے اسے "ثوب محقق" ای ثوب محکم نسجہ کہتے ہیں[1] مفسرین کی تشریح اور عربی زبان کے ماہرین کی تحقیق سے یہی حقیقت مترشح ہوتی ہے، چنانچہ قاضی بیضاوی کہتے ہیں

الحق الثابت الذی لا یسوغ انکارہ[2] — الحق وہ حقیقت ثابتہ ہے کہ جس کا انکار کرنا آسان نہ ہو۔

امام راغب اصفہانی کہتے ہیں

اصل الحق المطابقۃ والموافقۃ[3] — "الحق" کی اصلیت مطابقت اور موافقت ہے یعنی جب کہا جاتا ہے کہ یہ قول و فعل یا یہ شی حق ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حقیقت اور نفس الامر کے مطابق و موافق ہے

تفسیر مدارک اور تفسیر مظہری میں بھی بیضاوی جیسی تشریح کی گئی ہے[4]

البتہ مظہری میں قاضی ثناء اللہ نے لا یسوغ کا مطلب لا یجوز سے بیان کیا ہے اور بیضاوی کے محشی نے اس کا ترجمہ لا یصح سے کیا ہے

قرآن حکیم میں "سائغ" شرابہ آیا ہے جس کے معنی "سھل انحدارہ" (اس کا اترنا آسان ہے) کے ہیں۔

اس لئے مذکورہ "لا یسوغ انکارہ" کا ترجمہ "انکار کرنا آسان نہ ہو" سے کیا گیا ہے ورنہ اس موقع پر لا یصح اور لا یجوز وغیرہ سب درست ہیں۔

---

[1] حاشیہ بیضاوی صـ۵۳ و روح المعانی صـ۱۹۱۔

[2] بیضاوی صـ۵۳

[3] مفردات القرآن از حاشیہ بیضاوی و لغات القرآن۔

[4] مدارک تفسیر سورۃ والعصر اور مظہری صـ۳۲۔